قصۂ ام معبد۔ایک مطالعہ

مولانا فیصل احمد بھٹکلی ندوی ☆

ام معبد، قبیلۂ خزاعہ سے تعلق رکھنے والی ایک شریف خاتون تھیں، ان کا نام عاتکہ بنت خالد تھا۔ مکے کے قریب ''قُدَید'' نامی مقام میں ان کی رہائش تھی۔ وہ اپنے گھر کے دالان میں خیمہ لگائے بیٹھتی اور اس راہ سے گزرنے والوں کو آرام پہنچاتی۔ سفر ہجرت کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رفقا کے ساتھ یہاں سے گزر ہوا۔ بھوک لگ رہی تھی، زادراہ ختم ہو چکا تھا اور خشک سالی کا سامنا تھا۔ اس سے دودھ اور گوشت خریدنا چاہا مگر اس کے پاس کچھ نہیں تھا، اس نے کہا کہ اگر کچھ ہوتا تو آپ حضرات کو پریشانی نہ ہوتی، آپ کی یہیں ضیافت ہو جاتی۔ اتنے میں خیمے کے ایک گوشے میں آپ کو ایک بکری نظر آئی، آپ نے پوچھا کہ ام معبد کہ یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ لاغری کے سبب بکریوں کے ساتھ چرنے کے لیے نہ جا سکی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا اس کے دودھ ہے؟ اس نے کہا کہ یہ دودھ سے معذور ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا مجھے اس کا دودھ دوہنے کی اجازت ہے؟ اس نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! اگر اس میں دودھ معلوم ہو رہا ہو تو دوہ لیجیے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور بسم اللہ کہہ کر تھن کو ہاتھ لگایا، فوراً اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا، آپ ﷺ نے دودھ دوہا اور سب نے خوب سیر ہو کر پیا۔ پھر دوبارہ دودھ دوہ کر اس کا برتن بھر دیا، اور آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہم راہ آگے روانہ ہوئے۔ کچھ دیر بعد اس کا شوہر ابو معبد واپس آیا، گھر میں دودھ دیکھ کر تعجب سے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ گھر میں تو کوئی دودھ والی بکری تھی نہیں۔ ام معبد نے کہا کہ ایک مبارک آدمی کا یہاں سے گزر ہوا تھا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ ابو معبد نے کہا کہ ذرا اس شخص کی شکل وصورت بیان کرو۔ اس نے پوری تفصیل سے آپ کے حسن و جمال اور شکل وشمائل کی تصویر کھینچ کر رکھ دی، جسے سن کر ابو معبد نے کہا کہ خدا کی قسم! مجھے تو یہ قریش والا آدمی معلوم ہوتا ہے، جس کا کچھ حال میں نے سن رکھا ہے۔ میری آرزو ہے کہ مجھے اس کی صحبت میسر ہوتی اور اگر موقع مل گیا تو میں ضرور یہ کروں گا۔

☆ استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء۔لکھنو

اسی وقت مکے میں کچھ اشعار سنے گئے، کہنے والے کا پتا نہیں چل رہا تھا۔ان اشعار میں ام معبد کے واقعے کا بیان تھا۔حضرت حسان نے جب یہ اشعار سنے تو اسی زمین پر جوابی اشعار کہے۔دونوں اشعار روایت میں مذکور ہیں۔

یہ سیرت کا ایک مشہور واقعہ ہے۔اس کو متعدد محدثین نے اور ابن اسحاق (متوفی ۱۵۲ھ) سے لے کر بعد کے تقریباً تمام سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔اکثر نے کم وبیش اسی تفصیل کے ساتھ اور بعض نے مختصراً اور کچھ محدثین نے ذرا مختلف انداز سے روایت کیا ہے،ہم آگے ان شاء اللہ تفصیلاً اس کی تخریج کریں گے۔

حاکم نے اس روایت کو مفصل ذکر کرنے کے بعد اس کی تصحیح کی ہے،اور اس کی صحت پر مزید متعدد دلائل دیے ہیں۔ہم حاکم کی پوری عبارت کو نقل کرتے ہیں،تا کہ اہل علم کے سامنے یہ پوری روایت رہے،حاکم لکھتے ہیں:

> **هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه، و يستدل على صحته و صدق رواته بدلائل، فمنها: نزول المصطفىٰ ﷺ بالخيمتين متواتراً في أخبار صحيحة ذوات عدد، ومنها: أن الذين ساقوا الحديث على وجهه أهل الخيمتين من الأعاريب الذين لا يتهمون بوضع الحديث و الزيادة و النقصان، وقد أخذوه لفظاً بعد لفظ عن أبي معبد و أم معبد، ومنها: أن له أسانيد كالأخذ باليد أخذ الولد عن أبيه والأب عن جده لا ارسال ولا وهن في الرواة، ومنها: أن الحر بن الصباح النخعي أخذه عن أبي معبد كما أخذه ولده عنه، فأما الاسناد الذي رويناه بسياقة الحديث عن الكعبيين فانه اسناد صحيح عال للعرب الأعاربة وقد علونا في حديث الحر بن الصباح(۱)**

ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم کی موافقت کرتے ہوئے اس کو صحیح کہا ہے اور حاکم کی اس پوری عبارت کو بھی تھوڑے سے اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔تاہم بعض اہل علم کو اس واقعے کی صحت میں شبہ ہے اور بالخصوص علامہ سید سلیمان ندوی نے سیرت النبی میں متعدد وجوہ سے اس کے قبول کرنے میں تردد کا اظہار کیا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے اس کو اپنی کتاب ''مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت'' میں شامل کیا ہے۔(۲) اور بڑی جسارت کرتے ہوئے اس واقعے کو غلط قرار دیا ہے۔

ہم سب سے پہلے علامہ سید سلیمان ندوی کے اشکالات کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں، پھر مولانا حبیب الرحمٰن کی رائے عدالت میں پیش کرتے ہیں، اس کے بعد اس کی تخریج کرتے ہوئے قدیم وجدید علما نے اس کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا ہے، اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

سید صاحب نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد سوم میں معجزات کے بیان کے اخیر میں ''مشہور عام دلائل ومعجزات کی روایتی حیثیت'' کے عنوان کے تحت اس واقعے کا بھی ذکر کیا ہے۔ پہلے سید صاحب کی پوری عبارت پر نظر رہے، تاکہ سید صاحب کی بات اور ہمارے استدراک کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ رہے۔ سید صاحب اس قصے کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> یہ روایت بغوی، ابن شاہین، ابن سکن، ابن مندہ، طبرانی، بیہقی، ابونعیم اور حاکم میں ام معبد کے بھائی حبیش بن خالد کی زبانی مذکور ہے اور حاکم نے نہ صرف یہ کہ اس کو صحیح کہا ہے، بل کہ اور دیگر طریقوں سے بھی اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر معلوم ہے کہ حاکم کے صحیح کہنے کی علما کی نگاہ میں کوئی قدر وقیمت نہیں۔ چناں چہ حافظ ذہبی نے اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے تصریح کردی ہے کہ ان میں سے کوئی طریقۂ سند صحیح کی شرائط کے مطابق نہیں۔
>
> حافظ ذہبی نے مجملاً اسی قدر لکھا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت حاکم کے علاوہ اور کتابوں میں بھی اسی سلسلۂ سند سے مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ حزام اپنے باپ ہشام سے اور ہشام اپنے باپ حبیش بن خالد خزاعی سے ناقل ہیں۔ حزام مجہول ہیں، حبیش بن خالد سے صرف یہی ایک روایت تمام کتب حدیث میں مذکور ہے۔ حبیش اصل واقعے کے وقت موجود نہ تھے۔ معلوم نہیں انھوں نے کس سے سنا۔ اس لیے یہ روایت اگر ثابت بھی ہو تو مرسل ہے۔
>
> حاکم نے دو طریقوں سے اس واقع کو نقل کیا ہے۔ ایک ان ہی حزام اور ہشام بن حبیش کے ذریعے سے اور دوسرے حر بن صباح سے اور وہ ام معبد کے شوہر ابو معبد سے راوی ہیں۔ پہلے طریقے میں حاکم نے یہ کمال کیا ہے کہ حبیش کے بہ جائے اس کے بیٹے ہشام بن حبیش بن خویلد (بہ جائے خالد) کو اصل راوی اور صحابی قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طریق سے روایت کا ارسال اور بڑھ گیا، ہشام کا صحابی ہونا بھی مشکوک ہے۔
>
> دوسرے طریقے میں حر بن صباح گو ثقہ ہیں، مگر ابو معبد سے ان کی سماعت ثابت نہیں۔ چناں چہ ابن حجر نے تہذیب میں لکھا ہے کہ حر ابو معبد سے مرسل روایتیں کرتے ہیں۔ یہ تو ان تمام روایتوں کے اوپر کے راویوں کا حال ہے۔ نیچے کے راویوں میں اکثر مجہول

لوگ ہیں۔ حر والی روایت میں نیچے ایک شخص بشر بن محمد سکری ہے، جس کو ازدی نے منکر الحدیث اور ابن عدی نے واہی کہا ہے۔

ابونعیم نے دلائل میں ایک اور صحابی سلیط ابوسلیمان انصاری بدری سے اس کی روایت کی ہے۔ سلیط سے اُن کے بیٹے سلیمان اور اُن سے اُن کے بیٹے محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری روایت کرتے ہیں۔ لیکن ان سلیط کا نام اسی روایت کی حیثیت سے بعض مؤلفینِ سیرِ صحابہ نے صحابہ میں داخل کرلیا ہے۔ ورنہ ان کا کوئی حال ہم کو معلوم نہیں۔

سلیط انصاری بدری جو مشہور ہیں، وہ سلیط بن قیس انصاری خزرجی بدری ہیں۔ اُن کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا، جن سے کو نسل نہیں چلی، لیکن اُن سے روایت سنن نسائی میں موجود ہے، مگر سلیط ابوسلیمان انصاری بدری کی کوئی روایت اس کے سوا موجود نہیں۔ اسی لیے اسماورجالِ صحابہ کے مؤلفین میں سے بعض نے ان کو اور سلیط بن قیس انصاری بدری کو ایک سمجھا ہے۔ اگر ایسا ہے تو سلیمان ان کے بیٹے اور محمد ان کے پوتے کا نام نہ تھا۔ اگر یہ دو ہیں تو اصحاب بدر کے نام سب گنے ہوئے ہیں۔ ان میں سلیط بن قیس خزرجی کے سوا کوئی دوسرا سلیط نام نہیں۔ پھر یہ مدینے کے باشندے تھے اور ام معبد قبیلۂ خزاعہ کی تھی، جو مکے اور مدینے کے بیچ میں آباد تھا۔ معلوم نہیں کہ سلیط انصاریؓ نے کس سے سنا؟ پھر ان کے بیٹے سلیمان اور پوتے محمد سے ہم کو کوئی واقفیت نہیں۔ حافظ ابن حجر لسان المیز ان میں محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری کے تحت لکھتے ہیں:

قال العقیلی: مجھول بالنقل روی عن ابیه عن جده، فذکر قصة ام معبد وھو واہ، وقال لیس ھذا الطریق محفوظا فی حدیث ام معبد..........

قال ابن منده: مجھول.

علاوہ ازیں ان روایتوں کے الفاظ ام معبد اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باہم طرزِ تخاطب اور اشعار کی زبان اور ابومعبد کی گفت گو میں ایک خاص قسم کی غرابت ہے۔ جس کو ناقدینِ حدیث اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہاتفِ غیب نے اشعار تو مکے میں لوگوں کو سنائے اور حسانؓ نے جو ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے۔ مدینے میں بیٹھے بیٹھے ان کا جواب کہا۔ ہجرت کے سال میں مکے کے آس پاس قحط کا پڑنا اور خشک سالی ہونا بھی ثابت نہیں۔

مجھے ہجرت کے موقع پر ان دودھ والی روایتوں کے تسلیم کرنے میں اس لیے بھی پس و پیش ہے کہ ہجرت کے رفیق سفر حضرت ابوبکرؓ سے واقعات ہجرت کی جو روایت صحیح بخاری میں مذکور ہے، اس میں ایک جگہ ایک چرواہے سے دودھ مانگ کر پینے کا ذکر موجود ہے۔ مگر اس معجزے کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ چناں چہ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرؓ کی زبانی یہ قصہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

دفعتاً ایک چرواہا نظر آیا جو اپنی بکریوں کو ہانکے لیے جارہا تھا، میں نے اس سے پوچھا: تم کس کے غلام ہو؟ اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا، جس کو میں جانتا تھا، پھر میں نے کہا: تمہاری بکریوں کے دودھ ہے؟ اس نے کہا: ہاں، میں نے کہا: اپنے ہاتھ اور بکری کے تھن جھاڑ کر پیالے میں دودھ تو دوہو، اس نے دوہا۔ تو میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک برتن میں رکھ کر اور تھوڑا پانی ملا کر کہ دودھ ٹھنڈا ہو جائے، آپ کے پاس لایا۔ آپ نے نوش فرمایا۔(۳)

حاکم کی تصحیح کا ذکر کرتے ہوئے سید صاحب نے جو یہ فرمایا ہے:

مگر حاکم کے صحیح کہنے کی علما کی نگاہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں، چناں چہ حافظ ذہبی نے اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے تصریح کردی ہے کہ ان میں سے کوئی طریقۂ سند صحیح کی شرائط کے مطابق نہیں۔

اگرچہ حاکم کا شمار متساہلین میں ہوتا ہے، لیکن دوسرے علما بالخصوص امام ذہبی کی تائید سے اس کو اعتماد و استناد کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور اس سے پہلے ہم نقل کر چکے ہیں کہ ذہبی نے حاکم کے اس پورے بیان کی تائید کی ہے۔ جہاں تک سید صاحب کے اس بیان کا تعلق ہے کہ حافظ ذہبی نے اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے تصریح کردی ہے کہ ان میں سے کوئی طریقۂ سند صحیح کی شرط کے مطابق نہیں۔ مگر ذہبی کی اس عبارت کو پڑھ کر عام قاری کا جو تاثر ہوتا ہے، وہ ایسا نہیں ہے۔ اس کے لیے ذرا تفصیل کی ضرورت ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ حاکم کی اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کے ذریعے صحیحین پر استدراک کیا ہے، کتاب کا پورا نام ہی ''المستدرک علی الصحیحین'' ہے، تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ وہ صرف ان احادیث کا ذکر کرتے جو بخاری اور مسلم یا کسی ایک کی شرط کے مطابق ہوں، چناں چہ وہ اکثر جگہوں پر صراحت بھی کرتے ہیں، مثلاً هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه. وہ اس کے علاوہ بھی بہت سی روایات کا ذکر کرتے ہیں، جو ان کے نزدیک صحیح ہیں، اگرچہ شیخین کی شرط کے مطابق

نہیں ہیں۔ایسے موقع پر وہ کہتے ہیں: **ھذا حدیث صحیح ولم یخرجاہ** ان دونوں صورتوں میں کبھی ذہبی ان کی تائید کرتے ہیں، کبھی اپنی تحقیق کی بنیاد پر مخالفت کرتے ہیں اور کبھی بڑے شدومد سے تردید کرتے ہیں۔

حدیث ام معبد کا تعلق دوسری قسم کی حدیثوں سے ہے، جس کے بارے میں حاکم نے ہذا حدیث صحیح کہا ہے اور پھر اس کی صحت کے کئی قرائن بیان کیے ہیں اور ذہبی نے ان کی پوری بات کی مکمل تائید کی ہے، جیسا کہ گزرا۔

حاکم نے اس حدیث کی صحت کے قرائن بیان کرتے ہوئے اخیر میں کہا ہے:

واما حدیث الخیمتین المعروف برواته فقد حدثناه أبوزکریا یحی بن محمد العنبری ثنا الحسین بن محمدبن زیاد وجعفر بن محمد بن سوار. وأخبرنی عبداللّٰہ بن محمد الدورقی فی آخرین قالوا: ثنا محمد بن إسحاق الإمام. وأخبرنی مخلد بن جعفر الباقر حي ثنا محمد بن جزیر قالوا ثنامکرم بن محرز، ثم سمعت الشیخ الصالح أبابکر محمدبن جعفر بن حمدان البزار القطیعی یقول: ثنامکرم بن محرز، عن أبیه، فذکروا الحدیث بطوله بنحو من حدیث أبی معبد

اس پر ذہبی نے کہا ہے:

مافی ھذہ الطرق شیئی علی شرط الصحیح

اس پوری عبادت کو پڑھنے والا یہی سمجھے گا کہ حاکم نے مکرم بن محرز کی روایت کے جو طرق نقل کیے ہیں، ان میں سے کوئی طریقۂ سند صحیح کی شرائط کے مطابق نہیں۔یعنی امام ذہبی صرف ان طرق کے بارے میں فرمارہے ہیں، جن طرق سے مکرم بن محرز کی روایت سے حاکم نے یہ حدیث نقل کی ہے، نہ کہ اس حدیث اور قصے کے جملہ طرق سے بحث کررہے ہیں، ورنہ ذہبی نے پہلے اس کی جو مکمل تائید کی ہے، اس کا کیا مطلب؟

اس کے بعد سید صاحب لکھتے ہیں: حافظ ذہبی نے مجملاً اسی قدر لکھا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت حاکم کے علاوہ

یہ پوری عبارت بھی قابل استدراک ہے۔اس عبارت کے پہلے جملے سے وہم ہوتا ہے کہ واقعی ذہبی نے صرف اسی قدر لکھا ہے، جب کہ ہم نقل کرچکے ہیں کہ ذہبی نے حدیث کی تصحیح کے سلسلے میں حاکم کی

تائید کی ہے۔

سید صاحب کا یہ قول کہ ''حزام مجہول ہیں''، حقیقت حال کے مطابق نہیں ہے۔ معلوم نہیں کہ سید صاحب نے کس بنیاد پر یہ بات کہی۔ جب کہ ابن سعد نے طبقات میں ان کو ثقہ قرار دیا ہے، چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

حزام بن هشام بن خالد الاشعری الكعبی كان ينزل قديداً..... و كان ثقة قليل الحديث (۴)

یہ وہی حزام ہیں، جو اس سلسلۂ سند میں ہیں۔ان کا پورا نام حزام بن ہشام بن حُبیش بن خالد ہے۔ یہ خزاعی ہی ہیں، خزاعہ کی اس شاخ کو کعبی بھی کہا جاتا تھا جیسا کہ ابن عبدالبر نے ان کے دادا حبیش کے حالات میں لکھا ہے: **الخزاعی الكعبی (۵)**

جہاں تک الاشعری نسبت کا تعلق ہے تو بات یہ ہے کہ ان کے دادا حبیش یا پردادا خالد کا لقب الاشعر تھا۔(۶) اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے حزام کو اشعری کہا گیا ہے۔

پھر یہ کہ ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ قدید کے مقام پر یہ رہتے تھے۔ یہ بھی دلیل ہے کہ یہ حزام وہی ہیں، اس لیے کہ قدید ان کا آبائی مسکن تھا۔ نیز ابن سعد کے علاوہ امام فن رجال یحییٰ بن معین سمیت تمام لوگ ان کو ثقہ سمجھتے تھے، چناں چہ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

لاباس به

ابو حاتم کا قول ہے:

شیخ محله الصدق (۷)

ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔(۸)

ابن سعد نے لکھا ہے:

روی عنه عبدالله بن مسلمة بن قعنب وأبوالنضر هاشم بن القاسم ومحمدبن عمروغيرهم (۹)

یاقوت نے ان سے روایت کرنے والے نو مشہور راویوں کا نام لکھ کر وغیرہم لکھا ہے، جب کہ ان میں ابوالنضر اور محمد بن عمر شامل نہیں ہیں اور پھر کہا ہے:

و كان ثقة (۱۰)

اس طرح ان سے روایت کرنے والے دس سے زیادہ راویوں کا پتا چلتا ہے اور ان کے بارے میں

مجہول ہونے کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہ جاتا، بل کہ روایتوں کے تتبع سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں ان کو ایک مقام حاصل تھا، چناں چہ آجری نے کتاب الشریعہ میں ان کے طریق سے جو حدیث نقل کی ہے، اس میں ایک جگہ حزام المحدث وارد ہوا ہے۔(۱۱)

سید صاحب کا یہ کہنا کہ حبیش اصل واقعے کے وقت موجود نہ تھے، معلوم نہیں انہوں نے کس سے سنا، اس لیے اگر یہ روایت ثابت بھی ہو تو مرسل ہے، اس پر ہمارا یہ کہنا ہے کہ یہاں اگر ارسال بھی ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ حبیش خود ام معبد کے بھائی تھے۔ اس لیے اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ انہوں نے اپنی بہن ہی سے یہ واقعہ سنا ہے، اور اس کا قوی احتمال موجود ہے کہ وہ بھی وہاں یا اس کے قریب موجود ہوں، اس لیے کہ ان کی رہائش بھی وہیں تھی اور یہ ہمارا خیال نہیں بل کہ حقیقت ہے، اس لیے کہ بعض روایتوں میں اس کی صراحت ہے کہ حبیش اپنی بہن ام معبد سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔ چناں چہ ابن ابی عاصم نے الاحاد والمثانی میں اور ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں حزام بن ہشام بن حبیش بن خالد الخزاعی عن ابیہ عن جدہ عن اختہ ام معبد کے الفاظ لکھے ہیں۔(۱۲)

اس کے بعد سید صاحب لکھتے ہیں:

> حاکم نے دو طریقوں سے اس واقعے کو نقل کیا ہے، ایک ان ہی حزام اور ہشام بن حبیش کے ذریعے سے اور دوسرے حر بن صباح سے اور وہ ام معبد کے شوہر ابو معبد سے راوی ہیں۔

پھر لکھتے ہیں:

> پہلے طریقے میں حاکم نے یہ کمال کیا ہے کہ حبیش کے بہ جائے اس کے بیٹے ہشام بن حبیش کو اصل راوی اور صحابی قرار دیا۔ ظاہر ہے اس طریق سے روایت کا ارسال اور بڑھ گیا (یعنی اب درمیان سے دو راوی چھوٹ گئے) ہشام کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہے۔

اس آخری بات کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ اگر چہ ہشام کے صحابی ہونے نہ ہونے کے سلسلے میں اختلاف ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے ان کو صحابی تسلیم کیا ہے، چناں چہ اصابہ میں ان کا ذکر کرتے ہوئے ابن حبان کا قول نقل کیا ہے: له صحبة،

اور کوئی دوسرا اختلافی قول نقل نہیں کیا۔(۱۳) یہاں اصابہ میں ان کی نسبت المخزومی واقع ہوا ہے، یہ غالباً قلم کی چوک ہے، اس لیے کہ آگے جو بات لکھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی ہشام بن حبیش الخزاعی ہیں، اس لیے کہ آگے بخاری کے حوالے سے لکھا ہے: سمع عمر، کیوں کہ یہی بات ہشام بن حبیش خزاعی کے بارے میں بخاری نے نقل کی ہے۔(۱۴)

نیز سید صاحب کا یہ کہنا کہ اس طریق سے روایت کا ارسال اور بڑھ گیا، یعنی اب درمیان سے دو راوی چھوٹ گئے۔ پہلی بات یہ کہ پہلا ارسال ہی یہاں اتنا مضر نہیں تھا، جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔ پھر یہ کہ یہ ام معبد کوئی اور نہیں، ہشام کی حقیقی پھوپھی ہیں۔ یہ عجیب وغریب بات خاندان میں مشہور ہوگئی ہو اوران کے بھائی اور بھتیجے نے ان سے روایت نقل کی ہو تو تعجب کی کیا بات ہے؟ بھتیجے نے پھوپھی سے بہ راہِ راست سنی ہو، اس کا بھی احتمال ہے اور یہ احتمال نہیں بل کہ واقعہ ہے۔ ابن السکن کی روایت میں اس کی صراحت ہے کہ ہشام اپنی پھوپھی سے یہ روایت بیان کرتے ہیں۔ (۱۵) اور ہشام نے یہی ایک روایت نہیں بل کہ اس کے علاوہ دوسری روایتیں بھی اپنی پھوپھی سے نقل کی ہیں۔ چناں چہ طبرانی نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کو ہشام اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں۔ (۱۶) اسی طرح فاکہی نے اخبار مکہ میں ہشام کی اپنی پھوپھی سے روایت کی ہوئی ایک اور روایت نقل کی ہے۔ (۱۷) تو اس سے ارسال کا خدشہ بالکل ختم ہو جاتا ہے اور روایت بہ طریق اتصال ثابت ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

پھر سید صاحب لکھتے ہیں:

حربن صباح والی روایت میں نیچے ایک شخص بشر بن محمد سکری ہے، جس کو ازدی نے منکر الحدیث اور ابن عدی نے واہی کہا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیرت النبی کے سابقہ ایڈیشنوں میں بشر بن محمد کے بہ جائے محمد بن بشر چھپا ہے، مگر صحیح بشر بن محمد ہے، جیسا کہ مستدرک میں اور رجال کی کتابوں میں ہے، یہاں غالباً سبقت لسانی سے ایسا ہوا ہے، جس کی جدید ایڈیشن میں تصحیح کر دی گئی ہے۔ دوسری قابل استدراک بات یہ ہے کہ ''ابن عدی نے ان کو واہی کہا ہے''۔ یہ بات صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ابن عدی نے ان کا نام ونسب بیان کر کے ان کی چند حدیثیں نقل کرنے کے بعد ان کے بارے میں جو کچھ کلام کیا ہے، وہ یہ ہے:

وبشر بن محمد هذا له أحاديث غيرماذكرته، فأرجو أنه لابأس به، وهذا ماذكرته أنكر مارأيت له من رواياته، وأرجو أن هذه الأحاديث ليست من قبله، إنما هي من قبل من رواها عنه، وهو في نفسه لا بأس به (۱۸)

اس عبارت سے تو ابن عدی کے نزدیک ان کا معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ ''لا باس بہ'' کی اصطلاح محدثین کے نزدیک کسی کی توثیق کے لیے استعمال ہوتی ہے، حافظ ابن حجر نے مراتب تعدیل میں ثقہ کے بعد چوتھے درجے میں اس کو رکھا ہے۔ (۱۹)

اور امام جرح وتعدیل یحییٰ بن معین کے یہاں تو ثقہ کے لیے اس کا استعمال ہوتا تھا۔ (۲۰)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سید صاحبؒ نے کس بنیاد پر ابن عدی کی طرف ان کے واہی ہونے کی بات منسوب کی ہے؟

دراصل حافظ ابن حجر کی ایک عبارت سے سید صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ حافظ نے لسان میں میزان کی عبارت نقل کرنے کے بعد اخیر میں لکھا ہے:

وأطلق المصنف (أي الذهبی) فی ترجمة خالد بن مقدوح بأن بشربن محمد هذا من الواهين، وتبع فی ذلك ابن عدی، فإنه لما ساق الحديث المذكور هناك قال لا أدری البلاء فيه من خالد أو بشربن محمدالسكری (۲۱)

ذہبی نے میزان میں خالد بن مقدوح کے حالات میں ایک حدیث اس طرح ذکر کی ہے:

بشربن محمدالسكری أحد الواهين عن خالد (۲۲)

یہ حدیث ابن عدی نے بشر بن محمد کے حالات میں ذکر کر کے وہ بات لکھی ہے، جو حافظ کے حوالے سے اوپر نقل ہوئی۔ حافظ کا مطلب یہ ہے کہ ابن عدی کی اسی بات کی بنیاد پر ذہبی نے بشر کو واہین میں شمار کیا ہے۔ سید صاحب اس سے یہ سمجھے کہ ابن عدی نے ان کو واہی کہا ہے اور ذہبی نے اس سلسلے میں ان کی پیروی کی ہے، جب کہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ جہاں تک ازدی کے ان کو منکر الحدیث کہنے کا تعلق ہے، تو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ازدی (۲۳) کا شمار اگرچہ حفاظِ حدیث میں ہوتا ہے، تاہم کچھ محدثین نے ان میں بھی کلام کیا ہے، اس لیے عموماً محدثین کسی راوی کی تضعیف کے بارے میں اصالتاً ان کا کلام قبول نہیں کرتے، بل کہ تائید میں نقل کرتے ہیں یا تفصیل بیان کرنی ہو تو ان کا قول بھی نقل کر لیتے ہیں، انہوں نے اپنی کتاب الضعفا میں متعدد ایسے راویوں کی تضعیف کی ہے، جن کی دوسروں نے توثیق کی ہے، اس پر محدثین نے ان کی گرفت کی ہے اور ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں کیا، چناں چہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے:

وجرح خلقاً بنفسه لم يسبقه أحد إلى التكلم فيهم، وهو المتكلم فيه (۲۴)

اور سیر اعلام النبلا میں لکھتے ہیں:

وعليه فی كتابه الضعفاء مؤاخذات، فإنه ضعف جماعة بلادليل، بل قديكون غيره وثقهم (۲۵)

اور بھی ذہبی نے متعدد جگہوں پر ازدی کے بارے میں اس طرح کی باتیں لکھی ہیں۔

ذہبی نے میزان الاعتدال اور المغنی فی الضعفا میں ازدی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ (۲۶) لیکن دیوان الضعفا والمتروکین میں جہاں صرف اپنی بات قول فیصل کے طور پر بیان کی ہے، وہاں **صدوق له غرائب**

کہا ہے۔(۲۷) مذکورہ دونوں کتابوں میں بھی ان کو اپنی طرف سے صدوق ہی کہا ہے اوران سے روایت کرنے والوں میں ابوحاتم اورابراہیم الحربی کا ذکر کیا ہے، یعنی ان جیسے بڑے محدثین نے ان کو قابل اعتبار سمجھا ہے۔ابن حبان نے بھی ثقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔(۲۸) حافظ ابن حجر نے بھی لسان المیزان میں اس بات کا ذکر کیا ہے۔

اس تفصیل سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ازدی کی بات یہاں قابل لحاظ نہیں ہے،اور فی الجملہ یہ معتبر راوی ہیں۔اس کے بعد سید صاحب لکھتے ہیں:

> ابونعیم نے دلائل میں ایک اور صحابی سلیط ابوسلیمان انصاری بدری سے اس کی روایت کی ہے، سلیط سے ان کے بیٹے سلیمان اوران سے ان کے بیٹے محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری روایت کرتے ہیں،لیکن ان سلیط کا نام صرف اسی روایت کی رو سے بعض مؤلفینِ سیر صحابہ نے صحابہ میں داخل کرلیا ہے،ورنہ ان کا کوئی حال ہم کو معلوم نہیں۔

اس عبارت کے سلسلے میں پہلی بات یہ عرض ہے کہ یہ روایت ابونعیم کی مطبوعہ، بل کہ موجودہ دلائل میں موجود نہیں ہے۔اس بات کا تذکرہ فائدے سے خالی نہیں کہ ابونعیم کی طرف منسوب دلائل النبوۃ کے نام سے جو کتاب شائع ہوتی ہے، وہ ان کی اصل کتاب کا اختصار یا انتخاب ہے۔اصل کتاب مفقود ہے، اس کا صرف جز اول دارالکتب المصریۃ قاہرہ میں موجود ہے۔اصل کتاب کم سے کم سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کے زمانے تک یقیناً موجود تھی،اس لیے کہ ان کی کتاب خصائص کبریٰ میں ابونعیم کی دلائل کے حوالے سے بہت سی وہ روایتیں موجود ہیں،جن کا مطبوعہ نسخوں میں پتا نہیں چلتا۔

بہ ہر حال سید صاحب نے "بہ ظاہر یہ روایت ''اصابہ'' سے بل کہ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ''اسدالغابہ'' سے نقل کی ہے،اس لیے کہ ان سلیط کی کنیت ابوسلیمان اسدالغابہ ہی میں مذکور ہے۔

دوسری بات یہ کہ سید صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ ان سلیط کا نام صرف اسی روایت کی رو سے بعض مؤلفینِ سیر صحابہ نے صحابہ میں داخل کرلیا ہے،ورنہ ان کا کوئی حال ہم کو معلوم نہیں۔یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے،لیکن کسی حدیث پر کلام کے سلسلے میں غیر موزوں اور نامناسب ہے،اس لیے کہ ایسے متعدد صحابہ ہیں کہ کسی ایک روایت کی بنیاد پر ہی ان کا شمار صحابہ میں کیا گیا ہے۔اس سے روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اگرچہ فی نفسہٖ یہاں یہ سند صحیح نہیں ہے۔پھر اس کے بعد سید صاحب نے حافظ کی لسان المیزان کے حوالے سے عقیلی کی جو بات نقل کی ہے،اس میں یہ جو عبارت ہے:

> **لیس هذا الطریق محفوظاً في قصة أم معبد**

اسی سے سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ قصہ ثابت ضرور ہے، لیکن اس سند سے ثابت نہیں اور حقیقت بھی یہی ہے، جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

اس روایت کے سلسلے میں اس بحث کا تعلق سید صاحب کی عبارت سے ہے، لیکن اس روایت کے بارے میں تحقیقی بات جس سے راوی کے نام کے سلسلے کے سارے اشکالات دور ہوجاتے ہیں، وہ یہ ہے کہ یہ نام دراصل سلیط ہے ہی نہیں، بل کہ ابوسلیط ہے، جیسا کہ ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں ابوسلیط الانصاری کے حالات میں اپنی سند سے اور ابن سید الناس نے عیون الاثر میں اپنی سند سے ابوبکر الشافعی کے طریق سے ذکر کیا ہے۔ اس سند کے آخری الفاظ یہ ہیں:

اخبرنا محمدبن سلیمان بن سلیط حدثنی ابی عن ابیه عن جده ابی سلیط وکان بدریاً، قال لما خرج رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی الهجرة ومعه ابوبکر الصدیقؓ الخ (۲۹)

اور ابوسلیط کا پورا نام اُسیرہ بن عمرو بن قیس بن مالک الانصاری الخزرجی النجاری ہے۔ اگر چہ یہ سند انتہائی ضعیف ہے، ایک سے زائد راوی متروک اور مجہول ہیں، چناں چہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے:

رواہ الطبرانی وفیه عبدالعزیز بن یحییٰ المدینی، ونسبه البخاری وغیرہ إلی الکذب، وقال الحاکم: صدوق، فالعجب منه وفیه مجاهیل (۳۰)

پھر سید صاحب لکھتے ہیں:

علاوہ ازیں ان روایتوں کے الفاظ، ام معبد اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باہم طرز تخاطب اور اشعار کی زبان اور ابومعبد کی گفت گو میں ایک خاص قسم کی غرابت ہے، جس کو ناقدینِ حدیث اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں صرف اتنا عرض ہے کہ جن محدثین اور سیرت نگاروں نے اس قصے کو مفصل ذکر کیا ہے، انہوں نے اس کے الفاظ کی غرابت کی وجہ سے اس پر کوئی نقد کیا ہو، ہم نہیں جانتے، بل کہ ام معبد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفت گو میں اور اشعار کی زبان میں ایسی کوئی ندرت نہیں ہے، جس کی مثالیں اُس وقت کی زبان میں نہ ملیں۔ یہ تو ان کی فصاحت کی عین دلیل ہے اور اشعار کی زبان تو تقریباً ویسی ہی ہے جیسے جاہلی شعرا کی زبان ہوتی ہے، اس لیے اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

آپ خود ان اشعار کو پڑھ کر فیصلہ کیجیے کہ ان میں آخر کون سی غرابت ہے؟ وہ اشعار یہ ہیں:

جزی اللّٰه ربُّ الناس خیرَ جزائه

رفيقين قَالا خيمتي أم مَعبد

بعض روایتوں میں قالا کے بہ جائے حلا ہے

هُما نزلاها بالهدى واهتدت به

فقد فا ز من أمسى رفيق محمد

اور بعض کے نزدیک شعر اس طرح ہے:

هما نزلا بالبر ثم تروحا

فأفلح من أمسى رفيق محمد

فيالَ قُصَي ما زوى اللّٰه عنهم

به من فعالٍ لاتجا زى وسُؤدد

لِيَهْنِ بني كعب مَقامُ فتاتهم

ومقعدها للمؤمنين بمرصد

سلوا اُختكم عن شاتها وإنائِها

فإنكُم إن تسألوا الشاة تَشْهد

دعاها بشاةٍ حائل فتحلّبت

عليه صريحاً صُرّةُ الشاة مُزبِد

فغاد رها رَهْناً لَدَيها لِحالبٍ

يُر دّدها في مصد ر ثم مورد

اور حضرت حسانؓ کے جوابی اشعار یہ ہیں:

لقد خاب قوم زال عنهم نبيّهم

وقُدّس من يَسرِي اليه ويغتدى

ترحّل عن قوم فضلّت عقولهُم

وحلّ على قوم بنورٍ مجدد

هداهم به بعد الضلالة ربُّهم

فأرشد هم، من يتبع الحق يَرشد

وهل يستوى ضُلاّل قوم تسفّهوا

عِمَايَتِهِم، هاد به كل مُهتدى

بعض روایتوں میں یہ اشعار اس طرح ہیں:

وهل يستوى ضُلال قوم تسفهوا
عمى، وهُداةٌ يهتدون بمتهدِ
وقد نزلَتْ منه على أهل يثرب
ركابُ هُدى حلّت عليهم بأسعد
نبيّ يرى مالايرى الناس حوله
ويتلوا كتابَ اللّٰه فى كل مشهد
وإن قال فى يوم مقالة غائب
فتصد يقها فى اليوم أو فِى ضُحى الغد
ليَهْن أبا بكر سعادةُ جده
بِصُحبته، مَن يُسعِد اللّٰه يَسْعَد
ليَهْن بنى كعب مقامُ فتاتهم
ومقعدها للمؤمنين بمرصد

ان اشعار کو دیکھیے اور پرکھیے اور جاہلی شعرائے اصحابِ معلقات میں سے کسی کے شعر سے ان کا موازنہ کیجیے، ان اشعار کے غرابت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، کم سے کم طرفۃ کے چند اشعار ضرور ملاحظہ کیجیے، جو اسی وزن اور اسی قافیے کے ساتھ ہیں، کہتا ہے:

وإنى لأمضى الهَمَّ عِند احتضاره
بعوجاء مِرْقالٍ تروح وتغتدى
أمونٍ كألواح الإران نَصَأتُها
على لاحِبٍ كأنّه ظَهْر بُرجُد
جماليةٍ وَجْناء تَردي كأنها
سَفَنَّجَةٌ تَبْرى لِأزْعَرَ أرْبَدِ
تُبارِى عِتاقًا ناجياتٍ وأتْبعت
وظِيْفًا وظِيفًا فوق مَوْرٍ مُعَبَّد

تَربَّعَت القُفَّینِ فی الشَّوْل تَرْتعی
حَدَائق مَولیَّ الأسِرَّةِ اَغیَد
تَرِیع إلی صوتِ المُھیبِ وتَتَّقي
بذی خُصَلٍ روعاتِ اَکْلَفَ مُلْبِدِ

اس کے بعد سید صاحب کا ارشاد ہے:

یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہاتف غیب نے اشعار تو مکے میں لوگوں کو سنائے اور حسان نے جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے، مدینے میں بیٹھے بیٹھے ان کا جواب کہا۔

اس سلسلے میں ہم یہ عرض کریں گے کہ جس طرح روایتوں میں یہ ہے کہ ہاتف غیب نے یہ اشعار مکے میں لوگوں کو سنائے، وہیں ابونعیم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

وأصبح صوت بالمدینة بین السماء والأرض یسمعون ولا یرون من یقوله (۳۱)

اس لیے مدینے میں بیٹھے بیٹھے ان کا جواب دیا جاسکتا ہے، اور یہ بات کہ حسان ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے محل نظر ہے۔ اس لیے کہ ابن ہشام نے بیعت عقبۂ اولیٰ کے واقعات کے ضمن میں صراحت کی ہے کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی دعوت کی برکت سے مدینے کے گھر گھر میں اسلام پہنچ گیا، اور کوئی گھر باقی نہیں تھا، جس میں مسلمان نہ ہوں۔ پھر انہوں نے چند گھرانوں کے نام لیے ہیں، جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں توقف سے کام لیا تھا، جس میں حضرت حسانؓ کے گھرانے کا نام نہیں ہے۔ اس لیے یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی وہ مسلمان ہو چکے تھے، جب کہ ابن سعد نے صراحت بھی کی ہے کہ وہ قدیم الاسلام تھے۔ (۳۲)

اور کسی انصاری کے قدیم الاسلام ہونے کا واضح مطلب یہی لیا جاسکتا ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر کی دعوت پر انہوں نے پس وپیش کا اظہار نہیں کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ یہ بات اور موکد ہو جاتی ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت کے بھائی اوس بن ثابت کا نام ان تہتر مردوں میں ملتا ہے، جو بیعت عقبہ ثانیہ کے وقت موجود تھے۔ اور اس کا قوی قرینہ بھی موجود ہے کہ حضرت حسان نے مدینے میں اسلام کی آواز پہنچتے ہی اسلام قبول کر لیا ہو، اس لیے کہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب وہ سات آٹھ کی عمر کے تھے، اس وقت ایک دن انہوں نے ایک یہودی کو پکار کر کہتے ہوئے اور یہودیوں کو اطلاع دیتے ہوئے سنا تھا کہ آج نبی آخر الزماں احمد پیدا ہوئے ہیں۔ (۳۳)

اس سے قطعِ نظر یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ حضرت حسان نے اسی وقت ہاتف غیب کی آواز سن کر جواب میں اشعار کہے ہوں، اگرچہ بعض روایتوں کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے، تاہم اس کا بے غبار مطلب یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ حضرت حسان کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا اور یہ اشعار انہوں نے سنے تو اپنی ایمانی حمیت اور اسلامی غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے اسی زمین پر یہ اشعار کہے ہوں۔

سید صاحب کا یہ فرمان کہ ہجرت کے سال مکے کے آس پاس قحط کا پڑنا اور خشک سالی ہونا بھی ثابت نہیں۔ ہمارے سامنے پوری تفصیل تو نہیں کہ عہدِ رسالت میں مکے یا اس کے آس پاس کب کب قحط پڑا، تاہم جب یہ روایت ثابت ہو جائے تو اس کے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔

قابل ذکر ہے کہ یہاں جو الفاظ روایت میں آئے ہیں، وہ یہ ہیں:

وكان القوم مرملين مسنتين

مُرمل: أرمل سے ہے، أي نفد زادهم، یعنی ان کا زادِراہ ختم ہو چکا تھا، اور مسنتین کی اصل سنة ہے، یعنی قحط اور خشک سالی، مسنتین یعنی قحط کے شکار تھے یا خشک سالی سے دوچار تھے، بعض روایتوں میں مسنتین کے بہ جائے مشتین وارد ہے، مشتین: شتاء (یعنی جاڑا) سے بنا ہے، یعنی سردی شروع ہو چکی تھی اور جاڑا پڑ رہا تھا۔ ابن قتیبہ کی تحقیق یہ ہے کہ مسنتین ہی کی روایت صحیح ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

وليست الرواية إلا مشتين، والشتاء هو وقت ألصق عندهم (۳۴)

اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو قحط والا اشکال ہی ختم ہو جائے گا، لیکن غالباً یہ بات صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ وہ جاڑے کے دن نہیں تھے، ستمبر کا مہینہ تھا، ستمبر میں وہاں جاڑا نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

اخیر میں سید صاحب لکھتے ہیں:

> مجھے ہجرت کے موقع پر ان دودھ والی روایتوں کے تسلیم کرنے میں اس لیے بھی پس وپیش ہے کہ ہجرت کے رفیق سفر حضرت ابوبکرؓ سے واقعات ہجرت کی جو روایت صحیح بخاری میں مذکور ہے، اس میں ایک جگہ ایک چرواہے سے دودھ مانگ کر پینے کا ذکر موجود ہے، مگر اس معجزے کا مطلق ذکر موجود نہیں۔

پھر آگے سید صاحب نے حضرت ابوبکر کی زبانی بخاری کی روایت کا وہ حصہ نقل کیا ہے، جو سید صاحب کی عبارت کے آخر میں پیچھے گزر چکا ہے۔

یہاں یہ سوال کرنے میں ہم حق بہ جانب ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ

جو واقعات پیش آئے ہیں، کیا وہ سب حضرت ابوبکرؓ کی زبانی حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے، حضرت ابوبکرؓ سے تو اس کا بہت ہی مختصر حصہ اور کچھ واقعات ہی مروی ہیں۔ جب یہ حقیقت ہے تو پھر اس اشکال کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی، نہ اس بنیاد پر دوسرے واقعات کے تسلیم کرنے میں پس وپیش کیا جا سکتا ہے۔

سید صاحب کی عبارت اور اس پر استدراک یہاں ختم ہوتا ہے۔ بلاشبہ سید صاحب علامۂ زمانہ اور محقق عصر تھے، لیکن چوں کہ اس واقعے کے تسلیم کرنے میں متعدد وجوہ سے انہیں تردد تھا، اس لیے علمی لحاظ سے اس عبارت میں بعض باتیں ایسی در آئی ہیں، جو ان کے مقام کے مطابق نہیں معلوم ہوتیں، تاہم پورے بیان میں سنجیدگی کا دامن کہیں نہیں چھوٹا جو اہل علم واہل انصاف کا شیوہ ہے، نہ انہوں نے کہیں ادعا سے کام لیا ہے، نہ صریحاً اس واقعے کا انکار کیا ہے، بل کہ صرف اس کے تسلیم کرنے میں پس وپیش کا اظہار کیا ہے، جس کا اپنی تحقیق کی بنیاد پر انہیں پورا حق تھا۔

لیکن اس پوری عبارت کو نقل کرنے کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے جو انداز اختیار کیا ہے، وہ بالکل مختلف معلوم ہوتا ہے، صاف نظر آتا ہے کہ وہ عمداً قاری کو مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں، چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

> یہ تھا اصل واقعہ، جسے بعد کے مصنفین نے رنگ آمیزی کر کے اسے ایک معجزہ بنا کر پیش کر دیا۔

بلاشبہ کچھ غیر محتاط اور متہم بالکذب راویوں نے اس میں ضرور کچھ رنگ آمیزی کی ہے، لیکن مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے اس واقعے کے مطلقاً انکار اور تکذیب کے لیے اس سے کچھ کم رنگ آمیزی نہیں کی ہے، بل کہ انہوں نے صریح غلط بیانی اور تحریف سے کام لیا ہے، لکھتے ہیں:

> ہمیں حیرت تو اس پر ہے کہ ام معبد آپ سے واقف بھی نہیں، اور بات بات پر پھر کہہ رہی ہیں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، اور پھر اخیر میں اپنے خاوند کے سامنے حضور سے لاعلمیت کا اظہار کر رہی ہیں، یہ بھی تعجب انگیز ہے کہ بہ قول راوی ابومعبد دُبلی بکریاں خیمے میں چھوڑ گیا تھا۔ لیکن آگے کہتا ہے کہ حضور کو وہاں ایک دُبلی بکری نظر آئی۔ آخر بقیہ دبلی بکریاں کہاں غائب ہو گئی تھیں؟ گویا اس راوی کو اپنے جھوٹ میں اتنا بھی ہوش نہیں کہ قصہ جمع سے شروع کیا تھا اور ختم واحد پر ہوا۔ بقیہ بکریوں کا کارنامہ بھی تو سامنے آنا چاہیے تھا۔

راوی یہ بھی بیان کرتا ہے کہ حضور اور ابوبکر ابومعبد کے خیمے پر پہنچے۔ حال آں کہ ان دونوں حضرات کے ساتھ عامرؓ بن فہیرہ اور راہ بر بھی تھے۔ وہ دونوں کہاں گئے؟ کیا وہ دودھ کے محتاج نہ تھے؟

ہم جب بخاری کی ہجرت والی حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو صاف یہ محسوس ہوتا ہے کہ راہ میں تمام امور ابوبکر یا ان کے گھرانے کے کسی فرد نے انجام دیے۔ راہ میں چرواہا ملا تو ابوبکرؓ دودھ لے کر آئے۔ خود حضور ﷺ کسی غرض سے کام کے لیے تشریف نہیں لے گئے۔ ام معبد کی کہانی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی اشیا حضور تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ یہ وہ متعدد وجوہات ہیں، جو اس روایت کے جھوٹا ہونے کا بین ثبوت ہیں۔ (۳۵)

ہمیں تو حیرت اس پر ہے کہ یہ باتیں وہ کہاں سے لکھ رہے ہیں؟ ہم نے متعدد حدیث وسیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ دیکھا، مفصل بھی اور مختصر بھی، اور پھر ابن کثیر نے البدایہ میں بڑی تفصیل سے اس قصے کی روایتیں جمع کی ہیں، ان کو بھی غور سے دیکھا، ان میں سے کسی بات کا کسی روایت میں تذکرہ نظر نہیں آیا۔ نہ وہ بات بات پر کہہ رہی ہیں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، بل کہ صرف ایک دفعہ قصے کے شروع میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے دودھ کی بکری دیکھ کر اس سے اجازت لی تھی: کیا میں اسے دوہ سکتا ہوں؟ اس پر اس نے کہا تھا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اگر اس میں آپ کو دودھ نظر آرہا ہے تو ضرور دوہیے، اور آگے پورے قصے میں کہیں اس نے یہ لفظ نہیں کہا، ظاہر ہے کہ اس نے جب دیکھا یہ غیر معمولی آدمی ہیں، اور سنجیدگی سے بے دودھ کی بکری کو دوہنے کی اجازت مانگ رہے ہیں تو یقیناً یہ کوئی مبارک آدمی ہیں، تو اس کا موقع تھا کہ وہ کہتی: میرے ماں باپ آپ پر قربان، چناں چہ اس نے ایسا ہی کیا۔

اور مولانا کی یہ بات تو عجیب وغریب ہے کہ وہ اخیر میں اپنے خاوند کے سامنے حضور سے لاعلمیت کا اظہار کررہی ہیں۔ اس کے برخلاف ابومعبد کے سوال پر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا نقشہ کھینچ دیا تھا اس طرح کہ اچھے اچھے واقف کار بھی نہ بیان کرسکیں۔

آگے مولانا نے جو لکھا ہے کہ یہ بھی تعجب انگیز ہے کہ بہ قول راوی: ابومعبد دبلی بکریاں خیمے میں چھوڑ گیا تھا، لیکن آگے کہا ہے کہ حضور کو وہاں ایک دبلی بکری نظر آئی۔ یہ بات خود حیرت انگیز ہے۔ وہ راوی کسی روایت میں تو نظر نہیں آیا، مولانا کے خیال میں ہوگا، کسی بھی روایت میں یہ بات نہیں ہے کہ ابومعبد دبلی بکریاں خیمے میں چھوڑ گیا تھا، بل کہ تمام روایات میں خیمے میں ایک ہی بے دودھ بکری کے

ہونے کا ذکر ہے، آگے ابن اسحاق کی مرسل روایت آرہی ہے، وہ بھی اس کے خلاف نہیں ہے۔

آگے کہتے ہیں:

> آخر بقیہ دبلی بکریاں کہاں غائب ہوگئی تھیں؟ گویا اس راوی کو اپنے جھوٹ میں اتنا بھی ہوش نہیں کہ قصہ جمع سے شروع کیا تھا اور ختم واحد پر ہوا، بقیہ بکریوں کا کارنامہ بھی تو سامنے آنا چاہیے تھا۔

یہ کیسی بے تکی بات ہے۔اور بکریاں ہوتیں تو بھی یہ سوال پیدا نہیں ہوسکتا، اور یہ بات کہ اور بکریوں کا کارنامہ بھی تو سامنے آنا چاہیے، یہ معجزات کا مذاق ہے، کیا معجزہ جس چیز میں ظاہر ہوتا ہے وہ اس کا اپنا فعل ہوتا ہے یا قدرت الٰہی کی دلیل ہوتا ہے؟ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی کہ صالح علیہ السلام کی تصدیق کے لیے اللہ نے ایک پہاڑ سے اونٹنی نکالی، تو کوئی سوال کرے اور بھی تو دوسرے پہاڑ تھے، ان سے اونٹنیاں کیوں نہیں نکلیں؟

پھر لکھتے ہیں:

> راوی یہ بھی بیان کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ ابومعبد کے خیمے پر پہنچے، حال آں کہ ان دونوں حضرات کے ساتھ عامر بن فہیرہ اور راہ بر بھی تھے، وہ دونوں کہاں گئے؟ کیا وہ دودھ کے محتاج نہ تھے؟

یہ ایک مبتدی طالب علم کا اشکال ہے، نہ کہ کسی محقق کا۔قرآن وحدیث پر جو نظر رکھتے ہیں، ان کے سامنے سے ایسے واقعات گزرتے ہیں، جن میں ضمیریں مختلف ہوتی ہیں، یعنی مثلاً ضمیر جمع کی ہونی چاہیے، مگر تثنیہ کی ہوتی ہے، مثلاً سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ وخضرؑ کا واقعہ دیکھیے، شروع میں ذکر ہے حضرت موسیٰ اپنے خادم (یوشع بن نون) کو ساتھ لے کر نکلے، پھر ایک عبد صالح (حضرت خضر) سے ملاقات ہوئی، اور ان سے بات چیت کے بعد آگے کی طرف روانہ ہوئے، اب ضمیر جمع کی ہونی چاہیے مگر قرآن میں ہے فانطلقا (۳۶) یعنی تثنیہ کا صیغہ، اور آگے قصے کے ختم تک دو ہی آدمیوں کا ذکر ہے۔اب کوئی سوال کرسکتا ہے کہ خادم یوشع بن نون بالکل قابل اعتنا نہیں تھے، یا ان کو گھر روانہ کردیا گیا تھا، مگر دونوں باتیں نہیں ہیں، تنہا ان کو روانہ کردیں، ایک نبی کی شفقت اور حسن سلوک سے بعید ہے۔ظاہر ہے کہ وہ مقصود بالذات نہیں تھے، اس لیے آگے ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔یہاں بھی یہی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصل اور حضرت ابوبکرؓ آپ کے مصاحب اور رفیق سفر، اس لیے دونوں ہی مقصود تھے۔عامر فہیرہ حضرت ابوبکر کے غلام تھے، اس طویل سفر کے لیے بہ طور خادم ان کو ساتھ لیا گیا تھا، اور عبداللہ بن اریقط

کورہ بری کرنی تھی اور کوئی ان سے غرض نہیں تھی۔

یہ جواب تو اس وقت ہے، جب ان کا سوال صحیح بھی ہو، حال آں کہ ان کا یہ اشکال بھی صحیح نہیں ہے۔اس لیے کہ تمام مفصل روایتوں میں اپنے رفقا کو دودھ پلانے کا تذکرہ ہے، خالد بن حبیش کی مفصل روایت میں جس کو طبرانی، حاکم، بیہقی، ابونعیم اور ابن عساکر وغیرہ نے ذکر کیا ہے، دودھ دوہنے کے تذکرے کے بعد یہ الفاظ آئے ہیں:

ثم سقاها حتى رويت، وسقى أصحابه حتى رووا، ثم شرب آخرهم صلى الله عليه وسلم

یعنی پھر اس کو پلایا، یہاں تک اس نے سیر ہو کر پیا، اور اپنے رفقا کو سیر ہونے تک پلایا، پھر سب کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تناول فرمایا۔

اور ابن اسحاق کی ایک مرسل روایت میں (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے دعوے کے بالکل برخلاف کہ قصہ جمع سے شروع کیا تھا اور ختم واحد پر ہوا) پہلے ایک بے دودھ کی بکری کا ذکر آیا ہے، پھر دوسری، تیسری اور چوتھی بکری کا دودھ دوہ کر عامر بن فہیرہ اور راہ بر کو الگ الگ دودھ پلانے کا ذکر ہے۔ہم اہل علم کے لیے اس کے صرف الفاظ نقل کر رہے ہیں:

... فقالت: والله ماعندنا طعام ولا لنا منحة، ولا لنا شاة، إلا حائل، فدعا رسول الله ﷺ ببعض غنمها، فمسح ضرعها بيده، و دعا الله، و حلب في العس العس: (القدح الكبير) حتى رغّى (أي علت رغوته) و قال: اشربي يا أم معبد، فقالت: اشرب فأنت أحق به، فرده عليها، فشربت، ثم دعا بحائل أخرى، ففعل بها مثل ذلك، فشرب ، ثم دعا بحائل أخرى، ففعل بها مثل ذلك، فسقي دليله ، ثم دعا بحائل أخرى، ففعل بها مثل ذلك، فسقى عامراً ثم يروح (۳۷)

آخر میں مولانا کاندھلوی لکھتے ہیں:

جب ہم بخاری کی ہجرت والی حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو صاف یہ محسوس ہوتا ہے کہ راہ میں تمام امور ابوبکر یا ان کے گھرانے کے کسی فرد نے انجام دیے، راہ میں چرواہا ملا تو ابوبکر دودھ لے کر آئے، خود حضور کسی غرض سے کسی کام کے لیے تشریف نہیں لے گئے۔ ام معبد کی کہانی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی اشیا حضور تلاش کرتے پھر رہے

تھے۔ یہ وہ متعدد وجوہات ہیں، جو اس روایت کے جھوٹا ہونے کا بین ثبوت ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ام معبد کے قصے (۳۸) سے تو کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا، یہ بات مولانا کاندھلوی کی افتادِ طبیعت اور ذہنی اُپج کا یہ نتیجہ ہے۔

جو روایت مذکورہ کتابوں میں ہے، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے گوشت یا دودھ خریدنا چاہتے تھے، الفاظ یہ ہیں:

فسألوها هل عندها لحم أو لبن يشترونه منها، فلم يجدوا عندها شيئاً من ذلك

کیا تمہارے پاس گوشت یا دودھ ہے، جسے ہم خریدیں؟ مگر اس کے پاس کچھ نہ ملا۔

اور تمام روایتوں کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی چیز کی تلاش میں وہاں تشریف نہیں لے گئے تھے، بل کہ راستے میں اس کے خیمے سے گزر رہوا تھا اور اگر بھوک کی وجہ سے کوئی غذا کی تلاش میں کہیں جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ کوئی شرافت کے خلاف اور عیب کی بات نہیں، بل کہ انسانی فطرت کے مطابق اور مطلوبِ شریعت ہے۔ اور یہاں تو صراحت ہے کہ وہ مانگنے نہیں، بل کہ خریدنے گئے تھے، اور اسی کی اس سے درخواست بھی کی تھی۔ بالفرض اگر وہ مانگ بھی لیتے تو وہ اس وقت کے ماحول کے عین مطابق اور عربی مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ تھا۔ جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بہت آگے آخری درجے کی شرافت کا مظاہرہ کیا۔

اب ہم اس کی تخریج کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:

سب سے مفصل اس کو روایت کیا ہے ام معبد کے بھائی حبیش بن خالد خزاعی نے۔

فأخرج حديثه ابن قتيبة (م۲۷۶ھ) في غريب الحديث (۳۹)

وابن أبي عاصم (م۲۸۷ھ) في الأحاد و المثاني (۴۰)

وأبوبكر الشافعي (م۳۵۰ھ) في الغيلانيات (۴۱)

والأحاديث الطوال (م۳۶۰ھ) في المعجم الكبير وفي الأحاديث الطوال (۴۲)

والآجُرّي (م۳۶۰ھ) في الشريعة (۴۳)

والحاكم (م۴۰۵ھ) في المستدرك (۴۴)

والالكائي (م۴۱۸ھ) في اعتقاد اهل السنة (۴۵)

وأبونعيم (م۴۳۰ھ)في الدلائل (۴۶)
والبيهقي (م۴۵۸ھ)في الدلائل (۴۷)
وابن عبدالبر (م۴۶۳ھ)في الاستيعاب (۴۸)
والبغوي (المتوفى۵۱۰أو۵۱۶ھ)في شرح السنة و في الأنوار (۴۹)
وأبوالقاسم الأصبهاني (المتوفى۵۳۵ھ)في دلائل النبوة (۵۰)
و ابن عساكر (المتوفى۵۷۱ھ)في تاريخ دمشق (۵۱)
وابن الأثير (المتوفى۶۳۰ھ)في أسد الغابة (۵۲)
و ابن سيد الناس (المتوفى۷۳۴ھ)في سيرته (۵۳)
والمزي (المتوفى۷۴۲ھ)في تهذيب الكمال (۵۴)

وأخرجه ابن السكن (م۳۵۳ه) وابن شاهين (م۳۸۵ه) و ابن منده (م ۳۹۵ھ)كما ذكر الحافظ ابن حجر والسيوطي (۵۵)

و حديثه هذا روي من طريق حزام بن هشام بن حبيش بن خالد عن أبيه عن جده حبيش، و حزام ثقه تقدم القول فيه، و أما أبوه هشام بن حبيش فقد سبق أن ذكرنا اختلاف الناس في كونه صحابياً، و قول ابن حبان: إن له صحبة، وإقرار الحافظ عليه، هذا و قد ذكره ابن سعد في الطبقات الكبرى (۵۶)فقال: كان قليل الحديث، وقد سمع من عمر

و ذكره البخارى في التاريخ الكبير (۵۷)و لم يذكر فيه جرحاً ولا تعديلاً، وكذا فعل ابن أبى حاتم في الجرح والتعديل (۵۸)و ذكره ابن حبان في الثقات (۵۹)قال الهيثمى في المجمع (۶۰)في حزام بن هشام و أبيه: كلاهما ثقه

ورواه عن حزام: محرزبن مهدى وعنه ابنه مكرم بن محرز، ثم كثرت الطرق، فقد روى عن مكرم هذا الحديث أكثر من عشرين نفساً

و عن حزام أيضاً: أيوب بن الحكم و عنه اخوه سليمان بن الحكم و ابن اخيه محمد بن سليمان بن الحكم و عنهما جماعة

ورواه عن حزام: عبدالرحمن بن محمد بن شعبه عند ابن أبي عاصم في

الآحاد والمثاني وأبي نعيم في الدلائل

و عبدالله بن ادريس باختصار كما روى الطبراني و ابو نعيم (٦١) بإسناد رجاله ثقات، قال الهيثمي في المجمع (٦٢) رجاله رجال الصحيح غير حزام بن هشام بن حبيش و أبيه و كلاهما ثقة

و سالم بن محمد الخزاعي كما ذكر ابن ناصر الدين (٦٣)

وروي هذا الحديث من مسند أم معبد كما فعل عبدالرحمن بن شعبة و ابن ادريس فيما تقدم

وأخرجه بمثله من حديث أبي معبد: ابن سعد (م٢٣٠ھ) في الطبقات (٦٤)

والبخاري (م٢٥٦ھ) في التاريخ (٦٥)

و ابن خزيمة (المتوفى ٣١١ھ) في صحيحه كما ذكر الحافظ في الإصابة (٦٦)

وابو القاسم البغوي (م٣١٧ھ) في معجم الصحابة (٦٧)

وابن عدي (م٣٦٥ھ) في الكامل مختصراً (٦٨)

والحاكم (م٤٠٥ھ) في المستدرك (٦٩)

وابن عساكر (م٥٧١ھ) في التاريخ (٧٠)

ورواه عن أبي معبد: الحر بن الصباح النخعي، وهو ثقة و لكنه يرسل عن أبي معبد (٧١)

وقال ابن عبد البر: وقد روى حديث أم معبد جماعة بتمامه وكماله، عن أم معبد، وعن أبي معبد زوجها، و عن حبيش بن خالد أخيها، كلهم يرويه بمعنى واحد، و فيه الفاظ مختلفة قليلة بمعنى متقارب (٧٢)

ويروى هذا الحديث عن أبي سليط الأنصاري البدري، أخرجه بطوله الطبراني في الكبير (٧٣) قال حدثنا محمد بن علي الصائغ المكي ثنا عبدالعزيز بن يحيي المديني ثنا محمد بن سليمان بن سليط الانصاري عن أبيه عن جده

و من طريقه أبو نعيم في معرفة الصحابة (٧٤)

و أخرجه أبوبكر الشافعي في الغيلانيات (٧٥) عن محمد بن يونس

القرشی عن عبدالعزیز بن یحیي به

وابن عساكر فی التاریخ (٧٦)

وابن الأثیر فی أسد الغابة (٧٧)

وابن سید الناس فی السیرة (٧٨)ثلاثتهم من طریق أبی بكر الشافعی

و أخرجه العقیلی (م٣٢٢ھ)فی ترجمة محمد بن سلیمان بن سلیط، و قال: انه مجهول، ضعف حدیثه من أجل عبد العزیز بن یحیی وعبدالعزیز متروك ثم ذكر الحدیث بالاختصار، وقال: ولیس بمحفوظ هذا الطریق فی حدیث أم معبد (٧٩)

وقال الهیثمی فی المجمع (٨٠)وفیه عبد العزیز بن یحیي المدینی، و نسبه البخاری و غیره الی الكذب، و قال الحاكم: صدوق، فالعجب منه ! و فیه مجاهیل ایضاً

قلت: وقع اسم الراوی فی الاسناد عند الجمیع هكذا: ثنا محمد بن سلیمان بن سلیط الانصاری، ثم قال العقیلی والطبرانی و ابو نعیم (الذی روی من طریقه) عن ابیه عن جده، و لكن ابا بكر الشافعی والذین رووا من طریقه، و هم

ابن عساكر و ابن الاثیر وابن سید الناس كلهم قالوا: حدثنی ابی عن ابیه عن جده أبی سلیط وكان بدریاً

هنا عرفنا وجه الحق والصواب فی ذلك أن الحدیث من مسند أبی سلیط الانصاری البدری لا سلیط، وقد اختلط الامر علی ابن الاثیر، فانه ذكر اولاً سلیطاً، فقال سلیط، ابو سلیمان الأنصاری، بدری، روی محمد بن سلیمان بن سلیط الأنصاری عن أبیه عن جده قال لما خرج الی اخر الحدیث (٨١)

ثم أعاد ذكره فی الكنی بعنوان ابو سلیط الانصاری فذكر اسمه و نسبه فقال شهد بدراً وما بعدها من المشاهد، و ذكر فی الاخیر هذا الحدیث بإسناده الیه، و فی آخر الاسناد...... حدثنا محمد بن سلیمان بن سلیط

الانصاری حدثنی ابی عن أبیه عن جده أبی سلیط (۸۲)

والتحقیق أن سلیطاً هذا لم یذکره أحد من البدریین، بل ولا نقطع أنه من الصحابة، انما کان ابوه من البدریین کما هو مذکور عند الجمیع

فأصل الخطأ من بعض الرواة حیث لم یذکره فی الاسناد، و قال: محمد بن سلیمان بن سلیط عن ابیه عن جده، والصواب محمد بن سلیمان بن سلیط قال حدثنی أبی عن أبیه عن جده أبی سلیط، و من هنا تطرق الوهم الی المصنفین فی الصحابة، واللّٰه أعلم

وأخرج هذه القصة ابن اسحاق باختصار باسناد معضل عن اسماء بنت أبی بکر (۸۳)

ومن طریقه الطبری فی تاریخه (۸۴)

وابن سید الناس فی السیرة (۸۵) وایضاً وصل ابن سید الناس حدیث اسماء هذا باسناده الی هشام بن عروة عن أبیه عن اسماء (۸۶)

وأخرجه کذلك مختصراً ابن سعد من طرق (۸۷)

واخرج البیهقی عن الحاکم من طریق ابن اسحاق باسناد معضل نحو هذا ببعض التفصیل (۸۸)

وأخرج هذه القصة البیهقی بسنده الی عبدالرحمن بن أبی لیلی عن أبی بکر الصدیق رضی الله عنه، مع بعض الاختلاف فی سیاقها، و لهذا قال البیهقی عقبها: و هذه القصة وان کانت تنقص عما روینا فی قصة أم معبد و یزید فی بعضها، فهی قریبة منها، و یشبه أن یکونا واحدة (۸۹)

وذکرها ابن کثیر عنه، وحسن اسنادها، و ذکر قول البیهقی أن هذه القصه شبیهة بقصة أم معبد، وقال: والظاهر أنها هی (۹۰)

وفی تحسین ابن کثیر لها نظر، لأن عبدالرحمن بن أبی لیلی لم یدرك أبا بکر، حیث ولد لست بقین من خلافة عمر، و قد اختلفوا فی سماعه من عمر، فکان الانقطاع بینه و بین أبی بکر بالدرجة الأولی

وأخرجها البزار (م۲۹۲ھ) من حدیث جابر بن عبدالله من طریق یعقوب بن

محمد عن عبدالرحمن بن عقبة بن عبدالرحمن بن جابر بن عبدالله قال حدثنا أبی عن أبیه عن جابر، ثم ذکر نحو ذلك ببعض الاختصار، ثم قال: لا نعلم یروی بهذا اللفظ الا بهذا الاسناد، وعبدالرحمن بن عقبة، لانعلم حدث عنه الا یعقوب، وان کان معروفاً فی النسب (۹۱)

وروی شبه هذه القصة من حدیث قیس بن النعمان السکونی، أخرجه البزار عن محمد بن معمر عن هشام بن عبد الملك عن عبداللّٰه بن إیاد بن لقیط عن قیس بن النعمان قال لما انطلق النبی صلی الله علیه و سلم وأبو بکر مستخفین.... فذکر قصة شبیهة بقصة شاة ام معبد (۹۲)

والطبرانی فی الکبیر (۹۳)من طریق عاصم بن علی وأبی الولید الطیالسی عن عبد اللّٰه بن إیاد به

وأبو یعلی الموصلی (المتوفی ۳۰۷ھ)عن جعفر بن حمید الکوفی عن عبداللّٰه بن ایاد به (۹۴)

والحاکم فی المستدرك (۹۵)من طریق ابی الولید

والبیهقی فی الدلائل (۹۶)عن الحاکم، وقال الحاکم: هذا حدیث صحیح الاسناد ووافقه الذهبی، وقال الهیثمی فی المجمع (۹۷)عن حدیث البزار ورجاله رجال الصحیح، وقال فی المجمع (۹۸) عن حدیث الطبرانی: ورجاله رجال الصحیح، وقال الحافظ: سنده صحیح (۹۹)

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ قدیم وجدید علما اور محققین نے اس قصے کو کس نظر سے دیکھا ہے اور اس کو کیا حیثیت دی ہے؟

قدیم علما اور سیرت نگاروں کی ایک تعداد ایسی ہے، جنہوں نے بغیر کسی تبصرے اور کلام کے ایک ثابت شدہ قصے کے طور پر اس کو نقل کیا ہے۔ اور کچھ علما ایسے ہیں جنہوں نے توثیق کے ساتھ اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور جدید محققین اور علمائے حدیث میں ایک تعداد ایسی ہے، جنہوں نے اس کی توثیق وتحسین کی ہے۔

پہلی قسم میں ہم صرف ان سیرت نگاروں کا تذکرہ کریں گے، جن کا شمار علمائے حدیث میں ہوتا ہے۔ ان میں:

ابن حبان (المتوفی ۳۵۴ھ) نے کتاب الثقات میں۔(۱۰۰)

ابن الجوزی (ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی المتوفی ۵۹۷ھ) نے الوفاء میں، (۱۰۱) اسی طرح صفة الصفوة کے ابتدائی صفحات میں ذکر نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے مفصل سیرت لکھی ہے، اس میں بھی اس واقعے کا تذکرہ کیا ہے۔(۱۰۲)

ابن سالم الکلاعی (ابوالربیع سلیمان بن موسی بن سالم الحمیری الکلاعی المتوفی ۶۳۴ھ) الاکتفاء میں (۱۰۳) واقعے کو مفصل ذکر کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:

وھو عندنا بالاسناد من طرق.....

ابن سالم الکلاعی کا شمار اپنے زمانے کے کبار محدثین میں ہوتا تھا۔ زرکلی نے انہیں محدث الاندلس و بلیغها فی عصره لکھا ہے۔(۱۰۴)

محب الدین الطبری (المتوفی ۶۹۴ھ) نے خلاصة سیر سید البشر میں۔(۱۰۵)

دمیاطی (شرف الدین عبدالمومن بن خلف الدمیاطی المتوفی ۷۰۵ھ) نے اپنی سیرت میں۔(۱۰۶)

امام ذہبی (شمس الدین محمد احمد بن الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ) نے اپنی سیرت میں (۱۰۷) اور یہ دلیل ہے کہ ذہبی کے نزدیک یہ واقعہ صحیح ہے اور اس سے اس بات کی مزید وضاحت ہوتی ہے، جس کی ہم پہلے تشریح کر چکے ہیں کہ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں جو کہا ہے: **ما فی هذه الطرق شیئی علی شرط الصحیح**، اس سے مراد حاکم کی ایک سند کے یہ طرق ہیں، نہ کہ اس کی تمام اسانید، جیسا کہ بعضوں نے سمجھا ہے۔

علامہ ابن قیم (شمس الدین محمد بن أبی بکر المتوفی ۷۵۱ھ) نے زاد المعاد میں۔(۱۰۸)

علاء الدین مغلطائی (المتوفی ۷۶۲ھ) نے اپنی سیرت کی کتاب الاشارہ میں۔(۱۰۹)

عزالدین بن جماعہ (عبدالعزیز بن محمد الکنانی المتوفی ۷۶۷ھ) نے اپنی کتاب میں۔(۱۱۰)

ابن کثیر (عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ) نے سیرت پر اپنی دونوں کتابوں میں۔(۱۱۱)

حافظ عراقی (زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی المتوفی ۸۰۶ھ) نے اپنی منظوم سیرت میں۔(۱۱۲)

تقی الدین الفاسی (محمد بن أحمد بن علی الفاسی المکی المتوفی ۸۳۲ھ) نے شفاء الغرام میں۔(۱۱۳)

مقریزی (تقی الدین احمد بن علی المقریزی المتوفی ۸۴۵ھ) نے امتاع الاسماع میں۔(۱۱۴)

حافظ ابن حجر (احمد بن علی المتوفی ۸۵۲ھ) نے فتح الباری میں۔ (۱۱۵)

قسطلانی (احمد بن محمد المتوفی ۹۲۳ھ) نے مواہب لدنیہ میں۔ (۱۱۶)

علامہ بحرق (محمد بن عمر بحرق الحضرمی الشافعی المتوفی ۹۳۰ھ) نے حدائق الانوار میں۔ (۱۱۷)

علامہ صالحی (محمد بن یوسف الصالحی الشافعی المتوفی ۹۴۲ھ) نے سیرت کی اپنی عظیم ترین کتاب سبل الہدیٰ والرشاد میں۔ (۱۱۸)

عماد الدین العامری (یحیٰ بن اُبی بکر العامری الیمنی المتوفی ۸۹۳ھ) نے بھجۃ المحافل میں۔ (۱۱۹)

علامہ مناوی (زین الدین محمد عبدالرؤف المناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ) نے شرح الفیۃ العراقی میں۔ (۱۲۰)

علامہ زرقانی (محمد بن عبدالباقی المتوفی ۱۱۲۲ھ) نے شرح المواهب اللدنیۃ میں۔ (۱۲۱)

ان تمام علمائے محدثین نے اپنی مذکورہ کتابوں میں ایک ثابت شدہ واقعے کے طور پر بغیر کسی نقد و جرح کے اس کو ذکر کیا ہے۔

اور بھی قدیم سیرت نگار ہیں، جنہوں نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن چوں کہ وہ بہ حیثیت محدث معروف نہیں تھے، یا محدث تو تھے، لیکن سیرت کے واقعات اور معجزات کے نقل کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیتے، اس لیے ان کا ہم نے اس فہرست میں تذکرہ نہیں کیا۔ مثلاً قاضی عیاض (متوفی ۵۴۳ھ) انہوں نے کتاب الشفاء میں متعدد جگہوں پر اس واقعے کا ذکر کیا ہے، لیکن چوں کہ ان کی اس کتاب میں رطب و یابس روایتیں ہیں، اس لیے اس فہرست میں ان کا تذکرہ مناسب نہیں معلوم ہوا۔

دوسری قسم ان علما و محققین کی ہے، جنہوں نے اپنی کتابوں میں توثیق و تحسین کے ساتھ اس واقعے کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں خاص طور پر علامہ ابن عبدالبر (اُبوعمر یوسف بن عبد اللہ القرطبی النمری المتوفی ۴۶۳ھ)، امام ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) اور حافظ ابن ناصر الدین دمشقی (شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المتوفی ۸۴۲ھ) کا نام نمایاں ہے۔

اول الذکر نے اپنی کتاب ''الدرر'' میں اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

هو منقول مشهور عن الثقات (۱۲۲)

علامہ ابن کثیر اس قصے کا ذکر شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقصتها مشهورة مروية من طرق يشد بعضها بعضاً (۱۲۳)

جہاں تک علامہ ابن ناصر الدین دمشقی کا تعلق ہے، وہ اپنے زمانے میں بلادِ شام کے سب سے بڑے محدث تھے، محدث البلاد الشامیہ ان کو کہا جاتا تھا، جو حیثیت مصر میں ان کے معاصر حافظ ابن حجر کی

تھی، وہی حیثیت شام میں علامہ ابن ناصر الدین کی تھی۔ انھوں نے سیرت پر اپنی عظیم کتاب میں پہلے مختصراً اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: وقصة ذلك مشهورة، ولها طرق، پھر متعدد محدثین کے حوالے سے اس کے دسیوں طرق نقل کیے ہیں، اور اس قصے کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کے بعد اخیر میں لکھتے ہیں: و حديث أم معبد هذا حديث مشهور، خرّجه جماعة من أئمة الحديث فى كتبهم غير من ذكرنا. پھر دوسرے متعدد محدثین کے حوالے سے اس کو ذکر کیا ہے۔(۱۲۴)

عصر حاضر کے مصنفین میں جنہوں نے صحیح حدیث کی روشنی میں سیرت کی کتابیں لکھی ہیں۔تقریباً ان تمام محققین نے اپنی کتابوں میں اس واقعے کو جگہ دی ہے۔

غالباً اس سلسلے میں سب سے پہلا اہم ترین کام ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ لکھ کر کیا، انھوں نے اپنی کتاب میں اس واقعے کا تذکرہ کیا ہے، اگرچہ اس کی اکثر سندوں پر کلام کیا ہے۔ لیکن اخیر میں اس کے بعض طرق کو حسن قرار دیتے ہوئے اس واقعے کو تسلیم کیا ہے۔(۱۲۵)

اسی طرح شیخ ابراہیم العلی نے اپنی کتاب صحیح السیرۃ النبویۃ میں کیا ہے۔ حاکم کے حوالے سے مفصل قصہ نقل کرنے کے بعد حاشیے میں اس کے بعض شواہد کا ذکر کیا ہے اور اخیر میں کہا:

وبهذه الشواهد يكون الحديث حسناً ان شاء الله تعالىٰ (۱۲۶)

ایسے ہی محمد الصویانی نے اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ کما جاءت فی الأحادیث الصحیحۃ میں مفصل اس واقعے کا تذکرہ کیا ہے اور حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔(۱۲۷)

اسی طرح ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد، ڈاکٹر محمد بن محمد شہبہ اور مصطفیٰ ابو النصر الشلبی نے اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے۔(۱۲۸)

اس سب سے بڑھ کر عصر حاضر کے مشہور علمائے محققین اور ناقدین حدیث: شیخ ناصر الدین الالبانی، شیخ عبد القادر ارنوو ط، شیخ شعیب ارنووط اور ڈاکٹر بشار عواد معروف نے اس پر حسن کا حکم لگایا ہے اور اس کو ثابت مانا ہے۔

شیخ البانی نے شیخ محمد الغزالی کی فقہ السیرۃ پر اپنی تعلیق میں اس کے بعض شواہد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

فالحديث بهذه الطرق لا ينزل عن رتبة الحسن (۱۲۹)

اور شیخ عبد القادر اور شیخ شعیب نے زاد المعاد کی اپنی مشترکہ تحقیق میں اس کو حدیث حسن کہا ہے (۱۳۰) اسی طرح شیخ شعیب نے شرح السنۃ للبغوی کی تعلیق میں کہا ہے: حديث حسن قوي (۱۳۱)

ڈاکٹر بشار عواد معروف نے بھی یہی بات کہی ہے: حديث حسن قوي (۱۳۲)
اب اس کے بعد اس واقعے کے انکار یا اس سلسلے میں تردد کے اظہار کی کیا گنجایش رہ جاتی ہے؟

حواشی

۱۔ المستدرک: ج۳،ص۹۔۱۰

۲۔ حبیب الرحمٰن صدیقی۔مذہبی داستانیں اور ان کی حیثیت: حصہ اول،ص:۱۹۹، ۲۰۳

۳۔ سیرت النبی ﷺ۔طبع جدید دار المصنفین ۲۰۱۴: ج۳،ص۵۳۶، ۵۳۸

۴۔ طبقات ابن سعد۔تحقیق الدکتور علی محمد عمر، مکتبۃ الخانجی بالقاہرۃ: ج۸،ص۵۸

۵۔ دیکھیے الاستیعاب: ج۱،ص۴۵۳۔اسی طرح ابن الاثیر نے بھی ذکر کیا ہے، دیکھیے اسد الغابۃ: ج۱،ص۵۵۱

۶۔ دیکھیے اسد الغابۃ حوالہ بالا۔یا الاصابہ: ج۱،ص۴۶۵

۷۔ الجرح والتعدیل: ج۳،ص۲۹۸

۸۔ کتاب الثقات: ج۶،ص۲۴۷

۹۔ طبقات ابن سعد: ج۸،ص۲۶

۱۰۔ معجم البلدان۔دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان: ج۴،ص۲۴

۱۱۔ حوالہ تخریج کے ضمن میں ملاحظہ ہو

۱۲۔ دونوں کتابوں کے مکمل حوالے تخریج کے ضمن میں آرہے ہیں

۱۳۔ الاصابۃ: ج۵،ص۴۰۳

۱۴۔ دیکھیے التاریخ الکبیر: ج۸،ص۱۹۲

۱۵۔ دیکھیے الاصابہ: ج۷،ص۳۸۱

۱۶۔ دیکھیے المعجم الکبیر: ج۲۴،ص۳۴۹، رقم ۸۶۴

۱۷۔ دیکھیے اخبار مکہ فی قدیم الدہر وحدیثہ۔لأبی عبداللہ محمد بن اسحاق الفاکہی المکی المتوفی ۲۷۲ھ تحقیق الدکتور عبدالملک بن عبداللہ بن دہیش، مکتبۃ الاسدی مکۃ المکرّمہ، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء: ج۲،ص۲۵۰، رقم ۱۱۲۷

۱۸۔ الکامل۔دار الفکر، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء: ج۲،ص۴۵۰

۱۹۔ دیکھیے تقریب التہذیب کا مقدمہ

۲۰۔ دیکھیے شرح الفیۃ العراقی المسماۃ بالتبصرۃ والتذکرۃ۔دار الکتب العلمیۃ بیروت: ج۲،ص۷، ۸۔نیز دیکھیے یحییٰ بن معین وکتابہ التاریخ۔دراسۃ وترتیب وتحقیق الدکتور احمد نور سیف، مرکز البحث العلمی وإحیاء التراث الاسلامی، جامعۃ الملک عبدالعزیز مکۃ المکرمۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء: ج۱،ص۱۱۲، ۱۱۴

۲۱۔ لسان المیزان۔موسستہ الأعلمی للمطبوعات، بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۱ء: ج ۲، ص ۳۲۔ مصورۃ عن طبعۃ دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۳۰ھ

۲۲۔ میزان الاعتدال۔تحقیق علی محمد البجاوی، دارالفکر، بیروت۔لبنان: ج ۱، ص ۶۴۲

۲۳۔ ابوالفتح الازدی المتوفی ۳۷۴ھ

۲۴۔ میزان الاعتدال: ج ۱، ص ۵

۲۵۔ سیر اعلام النبلاء: ج ۱۶، ص ۳۴۸

۲۶۔ میزان الاعتدال: ج ۳، ص ۳۲۴۔المغنی فی الضعفاء: ج ۱، ص ۱۰۴

۲۷۔ دیوان الضعفاء والمتروکین: ج ۱، ص ۱۲۱

۲۸۔ ابن حبان۔کتاب الثقات: ج ۸، ص ۱۳۹

۲۹۔ دیکھیے: اسد الغابہ: ج ۶، ص ۱۶۵ وعیون الاثر: ج ۱، ص ۳۰۴

۳۰۔ مجمع الزوائد: ج ۸، ص ۲۷۹

۳۱۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم: ص: ۳۳۹، رقم ۲۳۸

۳۲۔ طبقات ابن سعد: ج ۴، ص ۳۲۲

۳۳۔ دیکھیے سیرت ابن ہشام: ج ۱، ص ۱۸۴۔مستدرک حاکم: ج ۳، ص ۴۸۶۔دلائل النبوۃ للبیہقی: ج ۱، ص ۱۱۰

۳۴۔ غریب الحدیث لابن قتیبہ۔تحقیق عبداللہ الجبوری، مکتبۃ العانی، بغداد، الطبعۃ الاولی ۱۳۹۷ھ: ج ۱، ص ۴۶۶

۳۵۔ مذہبی داستانیں اوران کی حقیقت۔انجمن اسوۂ حسنہ پاکستان، کراچی: حصہ اول، ص ۲۰۲۔۲۰۳

۳۶۔ الکہف: ۱۷

۳۷۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: ج ۲، ص ۴۹۳

۳۸۔ صاحب کتاب نے کہانی کا لفظ عمداً اس قصے کو افسانہ قرار دینے کے لیے استعمال کیا ہے!

۳۹۔ تحقیق عبداللہ الجبوری، مکتبۃ العانی، بغداد، الطبعۃ الاولی ۱۳۹۷ھ: ج ۱، ص ۴۶۲۔۴۶۵

۴۰۔ تحقیق باسم فیصل احمد الجوابرۃ، دارالرایۃ، الریاض، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء: ج ۶، ص ۲۵۲۔۲۵۵، رقم ۳۴۸۵

۴۱۔ الفوائد المنتخبۃ عن الشیوخ الثقات المسمی الغیلانیات۔تحقیق محمد حسن محمد حسن الشافعی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء: ص: ۲۹۰۔۲۹۲، رقم ۱۱۰۲

۴۲۔ انظر المعجم الکبیر۔تحقیق حمدی عبدالمجید السلفی، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔لبنان، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۲ء: ج ۴، ص ۴۸۔۵۱، رقم ۳۶۰۵۔رقم ۳۰ تحقیق عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء

۴۳۔ کتاب الشریعۃ۔جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، الکویت، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء: ص ۴۶۷۔۴۷۲، رقم

۱۰۲۱،۱۰۲۰

۴۴۔ مستدرک: ج ۳، ص ۹۔۱۱

۴۵۔ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ۔ تحقیق الدکتور احمد سعد حمدان، دار طیبۃ، الریاض: ص ۷۷۶۔۷۸۱، رقم ۱۴۳۱۔۱۴۳۷

۴۶۔ تحقیق الدکتور محمد رواس قلعہ جی وعبد البر عباس، دار النفائس، بیروت، لبنان الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء: ص ۳۳۷۔۳۴۰، رقم ۲۳۸

۴۷۔ تحقیق الدکتور عبد المعطی قلعجی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء: ج ۱، ص ۲۷۶۔۲۸۱

۴۸۔ تحقیق علی محمد معوض و عادل احمد عبد الموجود، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء: ج ۴، ص ۵۱۳۔۵۱۵

۴۹۔ انظر شرح السنۃ۔ تحقیق شعیب الأرنووط وزہیر الشاویش، المکتب الاسلامی بیروت، لبنان: ج ۱۳، ص ۲۶۱، ۲۶۴ رقم ۳۷۰۴۔ والانوار فی شمائل النبی المختار۔ تعلیق عمر و سید شوکت، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء: رقم: ۴۵۶

۵۰۔ تحقیق مساعد بن سلیمان الراشد الحمید، دار العاصمۃ، الریاض، الطبعۃ الأولیٰ ۱۴۱۲ھ: ج ۲، ص ۵۱۷، ۵۲۶، رقم ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶

۵۱۔ تحقیق علی عاشور الجنوبی، دار احیاء التراث العربی۔ بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء: ج ۳، ص ۱۸۲۔۱۸۹

۵۲۔ دار إحیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء: ج ۱، ص ۵۵۲، ۵۵۴

۵۳۔ عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر۔ تحقیق محمد العید الخطر اوی ومحی الدین مستو، مکتبۃ دار التراث، المدینۃ المنورۃ، ودار ابن کثیر دمشق و بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء: ج ۱، ص ۳۰۷۔۳۰۸

۵۴۔ تحقیق بشار عواد معروف، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان: ج ۱، ص ۲۲۰۔۲۲۳

۵۵۔ انظر الاصابۃ للحافظ۔ والخصائص الکبریٰ للسیوطی ص ۳۳۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء: ج ۱، ص ۴۶۶

۵۶۔ طبعۃ الخانجی بالقاھرۃ: ج ۸، ص ۲۶

۵۷۔ ج ۸، ص ۱۹۲

۵۸۔ ج ۹، ص ۵۳

۵۹۔ ج ۵، ص ۵۰۱

۶۰۔ ج ۸، ص ۳۱۳

۶۱۔ انظر المعجم الکبیر للطبرانی۔ومعرفۃ الصحابۃ لأبی نعیم: ج ۲۴،ص ۳۴۹،رقم ۷۷۱

۶۲۔ ج ۸،ص ۳۱۳

۶۳۔ انظر جامع الآثار فی السیر ومولد المختار: ج ۴،ص ۳۲۳

۶۴۔ ج ۱،ص ۹۶، ۱۹۹

۶۵۔ التاریخ الکبیر: ج ۲،ص ۸۴

۶۶۔ انظر: ج ۶،ص ۲۴۴

۶۷۔ انظر الإصابۃ۔نفس المکان

۶۸۔ دار الفکر،الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵۔ج ۲،ص ۴۵۰

۶۹۔ ج ۳،ص ۱۱

۷۰۔ انظر تاریخ دمشق: ج ۳،ص ۱۷۸۔۱۸۲

۷۱۔ انظر تہذیب الکمال للمزی: ج ۵،ص ۵۱۴۔تہذیب التہذیب: ج ۲،ص ۲۲۱۔وقال البخاری فی التاریخ: ج ۲، ص ۸۴۔الحر ما أدری أدرك أبا معبد ؟ أبو معبد قتل فی زمن النبی صلی اللہ علیہ و سلم

۷۲۔ الاستیعاب: ج ۴،ص ۳۲۱

۷۳۔ ج ۷،ص ۱۰۵۔۱۰۹،رقم ۶۵۱۰

۷۴۔ ج ۳،ص ۱۴۳۳،رقم ۳۶۳۰

۷۵۔ رقم ۱۱۰۰

۷۶۔ تاریخ دمشق: ج ۳،ص ۱۷۷۔۱۷۸

۷۷۔ ج ۶،ص ۱۶۵

۷۸۔ عیون الأثر: ج ۱،ص ۳۰۴۔۳۰۵

۷۹۔ الضعفاء الکبیر،تحقیق الدکتور عبد المعطی قلعجی،دار الکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،الطبعۃ الاولی: ج ۴،ص ۴۷

۸۰۔ مجمع: ج ۸،ص ۲۷۹

۸۱۔ اسد الغابۃ: ج ۲،ص ۵۱۲

۸۲۔ ایضاً: ج ۶،ص ۱۶۴۔۱۶۵

۸۳۔ السیرۃ النبویۃ لابن ہشام۔تحقیق عمر عبد السلام تدمری،دار الاتحاد،الطبعۃ الاولی ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء: ج ۲،ص ۱۲۹

۸۴۔ دار الکتب العلمیہ بیروت،الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء: ج ۱،ص ۵۷۰

۸۵۔ عیون الأثر: ج ۱،ص ۳۰۶

۸۶۔ المرجع السابق،نفس المکان

۸۷۔ طبقات ابن سعد: ج ۱، ص ۱۹۶

۸۸۔ دلائل النبوۃ: ج ۲، ص ۴۹۳

۸۹۔ ایضاً: ج ۲، ص ۴۹۱۔۴۹۲

۹۰۔ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر: ج ۲، ص ۲۶۰

۹۱۔ انظر کشف الأستار عن زوائد البزار للهیثمي۔ تحقیق حبیب الرحمٰن الاعظمی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۴ھ۔۱۹۸۴ء: ج ۲، ص ۳۰۰۔۳۰۱، رقم ۱۷۴۲ او الحدیث غیر موجود فی مسند البزار المطبوع

۹۲۔ انظر کشف الأستار، الحدیث غیر موجود فی مسندہ المطبوع: ج ۲، ص ۳۰۱ رقم ۱۷۴۳

۹۳۔ المعجم الکبیر: ج ۱۸، ص ۳۴۳

۹۴۔ ذکرہ ابن کثیر فی السیرۃ: ج ۲، ص ۲۶۴۔ عزاہ الیہ الحافظ فی المطالب العالیۃ، تحقیق غنیم بن عباس و یاسر بن ابراہیم، دار الوطن، الریاض، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء: ج ۴، ص ۳۸۵

۹۵۔ مستدرک: ج ۳، ص ۸، ۹

۹۶۔ ج ۲، ص ۴۹۷

۹۷۔ ج ۶، ص ۵۸

۹۸۔ ج ۸، ص ۳۱۳

۹۹۔ الاصابۃ: ج ۴، ص ۴۲۴ فی ترجمۃ قیس بن النعمان

۱۰۰۔ کتاب الثقات کے آغاز میں انہوں نے مفصلاً سیرت طیبہ کے واقعات لکھے ہیں۔ دیکھیے: ج ۱، ص ۱۲۳۔۱۲۸، الطبعۃ الاولی، حیدر آباد ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء، خالد عبدالرحمٰن العک نے قصۃ السیرۃ النبویۃ کے نام سے اس کو الگ سے بھی شائع کیا ہے دیکھیے اس کا (ص: ۸۶۔۸۷) دار الایمان، دمشق، سوریا، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء

۱۰۱۔ دیکھیے الوفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ص ۱۹۳، اور متعدد جگہوں پر اس کے بعض ٹکڑوں بغیر کسی کلام کے کا ذکر کیا ہے۔

۱۰۲۔ دیکھیے ص ۶۴۔۶۵، تحقیق خالد طرطوشی، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء، یہ حصہ السیرۃ النبویۃ تالیف الامام عبدالرحمٰن بن الجوزی کے نام سے الگ سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ دیکھیے اس کا ص: ۸۵۔ ۹۰، اعداد علی احمد الخطیب، مجلۃ الازھر، ۱۴۱۱ھ

۱۰۳۔ دیکھیے الاکتفا بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والثلاثۃ الخلفا: ج ۱، ص ۲۸۴۔۲۸۶

۱۰۴۔ دیکھیے الأعلام: ج ۳، ص ۱۳۶

۱۰۵۔ دیکھیے ج: ۱، ص: ۳۰۰۔۳۰۲ تحقیق الدکتور زھیر ابراہیم الخالد، وزارۃ الاوقاف قطر، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

۱۰۶۔ دیکھیے ان کی کتاب السیرۃ النبویۃ (ص: ۹۷۔۹۹) تحقیق اسعد محمد الطیب، دار الصابونی، حلب، سوریا، الطبعۃ

الاولیٰ ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء

۱۰۷۔ دیکھیے اس کا ص: ۳۰۷، ۳۱۱، تحقیق حسام الدین المقدسی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء، یہ کتاب ان کی عظیم کتاب تاریخ الاسلام کا ابتدائی حصہ ہے۔ السیرۃ النبویۃ للذھبی کے نام سے الگ سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ اسی طرح مؤسسۃ الرسالۃ بیروت نے سیر اعلام النبلاء۔ السیرۃ النبویۃ کے نام سے الگ سے شائع کیا ہے دیکھیے اس کی ج:۲، ص:۲۷۳-۲۷۵

۱۰۸۔ دیکھیے مؤسسۃ الرسالۃ: ج۳، ص۵۵-۵۷

۱۰۹۔ دیکھیے الاشارۃ الی سیرہ سیدنا محمد المصطفیٰ ﷺ، ص: ۱۶۸-۱۶۹، تحقیق آسیا کلیباں علی بارح، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۲ء

۱۱۰۔ دیکھیے ان کی کتاب المختصر الکبیر فی سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ۵۰، ۵۲، تحقیق الدکتور سامی مکی العانی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان۔ دار البشیر، عمان، الاردن، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء

۱۱۱۔ دیکھیے الفصول فی سیرۃ الرسول ﷺ، تحقیق مصطفیٰ عبدالحی، مدار الوطن، الریاض، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء: ص۴۲۔ یہ سیرت پر ابن کثیر کی مختصر کتاب ہے۔ نیز دیکھیے ان کی مفصل کتاب السیرۃ النبویۃ۔ تحقیق مصطفیٰ عبدالواحد، دار احیاء التراث العربی، بیروت: ج۲، ص/۲۵۷-۲۶۴، یہ کتاب ان کی عظیم کتاب البدایہ والنہایۃ کا حصہ ہے۔

۱۱۲۔ دیکھیے الفیۃ السیرۃ النبویۃ للعراقی، مع الشرح، دار اطلس الخضراء، الریاض، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء: ص۱۸۲

۱۱۳۔ دیکھیے شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء: ج۲، ص۳۹۲، اس میں انہوں نے مختصراً ام معبد کے خیمے میں اترنے کا ذکر کیا ہے

۱۱۴۔ دیکھیے امتاع الاسماع بما للنبی صلی اللہ علیہ وسلم من الأحوال والأموال والحفدۃ والمتاع، تحقیق محمد عبدالحمید النمیسی، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء: ج۱، ص۶۱

۱۱۵۔ دیکھیے فتح الباری، دار طیبہ، الریاض، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء: ج۸، ص۲۰۳، حافظ نے اختصار سے اس کا ذکر کیا ہے

۱۱۶۔ دیکھیے المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ۔ تحقیق عماد زکی البارودی، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاھرۃ: ج۱، ص۱۷۶-۱۷۹

۱۱۷۔ دیکھیے حدائق الانوار ومطالع الاسرار فی سیرۃ النبی المختار، تحقیق محمد غسان نصوح غرقول، دار المنہاج، جدۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء: ص۲۱۴-۲۱۵

۱۱۸۔ دیکھیے سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، تحقیق عادل احمد عبدالموجود وعلی محمد معوض، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء: ج۳، ص۲۴۴، ان کی یہ کتاب سیرت شامیہ کے مختصر نام سے بھی معروف ہے۔

۱۱۹۔ دیکھیے بھجۃ المحافل و بغیۃ الأماثل فی تلخیص المعجزات والسیر والشمائل، مع الشرح، تحقیق زکریا عمیرات، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء: ج۱،ص۱۷۴۔۱۷۵

۱۲۰۔ دیکھیے العجالۃ السنیۃ علی ألفیۃ السیرۃ النبویۃ للعراقی، تحقیق عمر بن أحمد بن علی آل أحمد، دار اطلس الخضراء، الریاض، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء: ص۱۸۲۔۱۸۴،

۱۲۱۔ دیکھیے شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ۔ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء: ج۲،ص۱۳۰

۱۲۲۔ دیکھیے الدرر فی اختصار المغازی والسیر، تحقیق شوقی ضیف، القاھرۃ، ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۱ء: ص۸۹

۱۲۳۔ دیکھیے ان کی کتاب السیرۃ النبویۃ: ج۲،ص۲۵۷۔محولہ بالا یا دیکھیے البدایۃ والنھایۃ، تحقیق الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، دارعالم الکتب، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء: ج۴،ص۴۷۲

۱۲۴۔ دیکھیے ان کی کتاب جامع الآثار فی السیر ومولد المختار، تحقیق نشأت کمال، وزارۃ الاوقاف، قطر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء: ج۴،ص۳۰۲۔۳۲۴

۱۲۵۔ دیکھیے السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، مکتبۃ العبیکان، الریاض، الطبعۃ السابعۃ ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء: ج۱،ص۲۱۲۔۲۱۵

۱۲۶۔ دیکھیے دارالنفائس، عمان، الاردن، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۷ء: ص۱۷۸، ۱۸۰

۱۲۷۔ دیکھیے مکتبۃ العبیکان، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء: ج۱،ص۲۷۴، ۲۷۷،

۱۲۸۔ دیکھیے اول الذکر کی کتاب السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ، دار امام الدعوۃ، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۲۴ھ: ج۱،ص۳۳۱، ۳۳۲۔ اور ڈاکٹر محمد بن محمد ابو شھبہ کی کتاب السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ، دارالقلم دمشق، الطبعۃ الثامنۃ، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء: ج۱،ص۴۸۶، ۴۸۹، اور موخر الذکر کی کتاب وقفات تربویۃ مع صحیح معجزات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، مکتبۃ الکوثر، الریاض، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء: ص:۳۹۳، ۳۹۶

۱۲۹۔ دیکھیے، دارالقلم دمشق، الطبعۃ السادسۃ، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء: ص۱۶۸

۱۳۰۔ دیکھیے، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔لبنان: ج۳،ص۵۷

۱۳۱۔ دیکھیے، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان: ج۱۳،ص۲۶۴، رقم ۳۷۰۴

۱۳۲۔ تھذیب الکمال للمزی بتحقیقہ۔مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان: ج۱،ص۲۳۰